بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستانی حکمرانوں اور دانش وروں کے لیے لمحہ فکریہ

ٹیکساس (امریکہ) سے شائع ہونے والے اردو ہفت روزہ ''پاکستان ٹائمز'' نے ۶ ستمبر ۲۰۰۷ کی اشاعت میں یہ خبر شائع کی ہے کہ جمہوریہ ترکی کے نومنتخب صدر عبد اللہ گل نے ۵۵۰ رکنی ترک پارلیمنٹ میں ۳۳۹ ووٹ لے کر منتخب ہونے کے بعد اپنے اسلامی ایجنڈے سے دست برداری کا اعلان کر دیا ہے۔ خبر کے مطابق انھوں نے کہا ہے کہ:

''ان کا کوئی اسلامی ایجنڈا نہیں ہے۔ وہ کمال اتاترک کی تعلیمات کے مطابق سیکولر روایات سے مخلص رہیں گے۔ بی بی سی کے مطابق عبد اللہ گل نے کہا کہ انھوں نے سیاسی اسلام سے اپنے تمام رشتے توڑ لیے ہیں۔''

''پاکستان ٹائمز'' کے اسی شمارے میں شائع ہونے والی ایک اور خبر میں بتایا گیا ہے کہ اس کے باوجود:

''ترکی کے نومنتخب صدر عبد اللہ گل کو فوج کی طرف سے سرد مہری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ گزشتہ روز جب فوج کی گریجویشن کی ایک تقریب میں شرکت کے لیے عبد اللہ گل گئے تو فوج کے چیف آف اسٹاف اور دیگر اعلیٰ جرنیلوں نے انھیں سیلوٹ نہیں کیا حالانکہ وہ صدر ہونے کے ناطے سے ترک افواج کے کمانڈر انچیف بھی ہیں۔''

ترکی کے موجودہ صدر عبد اللہ گل اور وزیر اعظم طیب اردگان کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ترکی کی قومی سیاست میں اسلامی رجحانات کی نمائندگی کرتے ہیں اور عام انتخابات میں سیکولر عناصر کے ساتھ شدید معرکہ آرائی کے بعد ان کی جماعت نے قومی اسمبلی میں فیصلہ کن حیثیت حاصل کی ہے جس کے نتیجے میں طیب اردگان کو وزیر اعظم اور عبد اللہ گل کو صدارت کے منصب کے لیے منتخب کیا گیا ہے لیکن انتخابات میں ترک عوام کی زبردست حمایت اور اکثریتی ووٹ حاصل ہونے کے باوجود وہ ترکی کے سیکولر دستور اور روایات کے سامنے اس قدر بے بس نظر آتے ہیں کہ انھیں اپنے اقتدار کو تسلیم کرانے کے لیے اسلامی ایجنڈے سے دست برداری اور سیاسی اسلام سے اپنے تمام رشتے توڑ لینے کا اعلان کرنا پڑا ہے۔

سیاسی اسلام سے ظاہر ہے کہ ان کی مراد یہی ہو سکتی ہے کہ اسلام کے جن احکام کا ریاست اور حکومت کے ساتھ تعلق ہے، وہ ان کے عملی پروگرام کا حصہ نہیں ہوں گے اور وہ ملک میں ان کی عمل داری کے لیے کوئی کردار ادا نہیں کریں گے۔

یہ سیاسی اسلام کی اصطلاح بھی عجیب ہے اور اس اصطلاح کے پردے میں جس طرح اسلام کے معاشرتی، قانونی، حکومتی اور ریاستی احکام کی نفی کی جا رہی ہے، وہ بھی حالات کے جبر کی پیدا کردہ ایک افسوس ناک ستم ظریفی ہے کیونکہ یہ بات درست ہے کہ اسلام محض سیاست نہیں ہے مگر یہ بات بھی حقیقت ہے کہ سیاست اسلام کا ایک اہم شعبہ ہے جس کو اسلام سے

الگ کر دیا جائے تو بقول اقبالؒ:

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مگر آج کا عالمی نظام اس بات پر بضد ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان اسلام کے سیاسی اور ریاستی احکام سے دست بردار ہو کر مغرب کی مسیحیت کی طرح صرف عقیدہ وعبادت اور شخصی اخلاقیات تک اپنے اسلام کو محدود رکھیں حتیٰ کہ اگر کسی مسلمان ملک کے عوام جمہوری ذریعہ سے اکثریتی فیصلہ کے ساتھ اسلام کے اجتماعی، عدالتی اور ریاستی احکام کو اپنے ہی ملک میں نافذ کرنا چاہیں تو انھیں اس کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس سے قبل الجزائر میں بھی ایسا ہو چکا ہے کہ اسلام کے ریاستی کردار کے داعی سیاسی حلقوں نے جمہوری عمل کے ذریعے اکثریتی ووٹ حاصل کر لیے اور ان کے برسر اقتدار آنے کا امکان پیدا ہو گیا تو نہ صرف یہ کہ فوجی جبر کے ذریعے ان کے تمام راستے مسدود کر دیے گئے بلکہ شب وروز جمہوریت، آزادئ رائے اور انسانی حقوق کا راگ الاپنے والے عالمی نظام کے سائے تلے الجزائر کو خوفناک خانہ جنگی سے دوچار کر دیا گیا۔

ہمارے خیال میں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بھی یہی تجربہ دہرایا جانے والا ہے اور اس کے لیے تمام ابتدائی تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں، یہ فرق ملحوظ رکھے بغیر کہ ترکی اور الجزائر کے دستور سیکولر ہیں جن کو بہانہ بنا کر اسلامی قوتوں کا زبردستی راستہ روکا گیا ہے جبکہ پاکستان کا دستور اسلام کو اپنی بنیاد تسلیم کرتا ہے اور فوج سمیت تمام اداروں نے پاکستان میں اس کی نظریاتی بنیادوں کے تحفظ کا حلف اٹھا رکھا ہے، مگر اس کے باوجود عالمی نظام کے بزرجمہروں نے پاکستان کی قومی سیاست میں دینی عناصر کو کارنر کرنے اور پاکستان کو زبردستی سیکولر ملک بنانے کے لیے جو منصوبہ بندی کی ہے، ملک میں خانہ جنگی کے حالات پیدا کرنے کی جو سازش کی جا رہی ہے اور دینی سیاست کے نمائندوں کی جس بے دردی کے ساتھ کردار کشی کی جا رہی ہے، وہ عالمی نظام کی منافقت اور دوغلے پن کی بدترین مثال ہے۔ اس کا مطلب واضح طور پر یہ ہے کہ مغرب کو نہ تو کسی ملک کے دستور سے کوئی غرض ہے اور نہ ہی اسے کسی ملک کے عوام کے ووٹوں اور اکثریتی رائے سے کوئی دلچسپی ہے۔ اس کا ایجنڈا صرف اور صرف یہ ہے کہ جس طرح مغرب اپنے مذہب کے ریاستی، عدالتی اور حکومتی کردار سے دست بردار ہو گیا ہے، اسی طرح عالم اسلام کو بھی قرآن وسنت کے ان احکام سے زبردستی دست بردار کرا دیا جائے جن کا تعلق سیاست، حکومت، ریاست، قانون اور معیشت سے ہے تاکہ کوئی مسلم ملک اسلامی بنیادوں پر اپنا نظام تشکیل نہ دے سکے۔

سوال یہ ہے کہ ترک حکومت کی آخر کیا مجبوری ہے کہ صدر اور وزیر اعظم کے منصب پر فائز ہونے والے حضرات کو عوامی مینڈیٹ اور توقعات سے ہٹ کر اور اپنی سابقہ روایات سے دست بردار ہو کر ''سیاسی اسلام'' سے رشتے توڑنا پڑے ہیں؟ وہ مجبوری یورپی یونین اور یورپی برادری میں شامل ہونے کی خواہش ہے جس کے لیے ترک حکمرانوں کو گزشتہ پون صدی سے طرح طرح کے پاپڑ بیلنا پڑ رہے ہیں، لیکن یورپی یونین کی قیادت کی ہر شرط اور خواہش کی نت نئی چوٹی عبور کرنے کے بعد ترک حکمرانوں کے سامنے اس سے بھی بلند چوٹی ان کے صبر وحوصلہ کو آزمانے کے لیے موجود ہوتی ہے۔ اس کھیل کو شروع ہوئے آٹھ عشرے گزرنے کو ہیں مگر ''ہنوز دلی دور است'' والا معاملہ ہے اور یورپی یونین میں ترکی کو شامل کیے جانے کے دور دور تک کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے۔

یہ صورت حال ہمارے ان حکمران طبقوں اور دانش وروں کے لیے یقیناً لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے جو ہر حال میں

مغرب کے ساتھ دوستی اور عالمی برادری کے ساتھ ایڈجسٹمنٹ کو ہی پاکستان اور مسلمانوں کے بہتر مستقبل کے لیے ناگزیر قرار دے رہے ہیں اور اس کے لیے مسلمانوں کو ذہنی طور پر تیار کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ مغرب کے ساتھ ہر معاملے میں محاذ آرائی کا راستہ اختیار کیا جائے اور بہرصورت تصادم ہی کا بگل بجا دیا جائے، لیکن خودسپردگی کی یہ کیفیت بھی عقل ودانش اور حمیت وغیرت سے مطابقت نہیں رکھتی کہ اپنے نظریاتی تشخص، تہذیبی امتیاز اور دینی پہچان سے دست برداری تک سے گریز نہ کیا جائے۔

ہمیں طیب اردگان اور عبد اللہ گل کی قیادت میں سامنے آنے والی نئی عوامی ترک قیادت سے ہمدردی ہے۔ ہم ان کی مجبوریوں کو سمجھتے ہیں اور ہمیں اس دلدل کی گہرائی کا پوری طرح اندازہ ہے جس میں وہ بری طرح پھنسے ہوئے ہیں، اس لیے ہم ان کو کوئی الزام دینے کی بجائے ان کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں ترک قوم کو اس دلدل سے نکالنے کے لیے ہمت وحوصلہ اور جرات وتدبر عطا فرمائے، البتہ اس ساری صورت حال کو کھلی آنکھوں دیکھتے ہوئے اسی دلدل کی طرف بگٹٹ دوڑے چلے جانے والے پاکستان کے حکمران طبقات اور ارباب دانش سے ہم یہ ضرور گزارش کرنا چاہیں گے کہ وہ ایک بار پھر حالات کا ازسرنو جائزہ لے لیں اور مغرب کے ہر مطالبہ اور خواہش کے سامنے خاموشی کے ساتھ سر جھکا دینے کی بجائے اعتدال اور توازن کا باوقار راستہ اختیار کریں، ورنہ دینی حلقے تو جنوبی ایشیا میں برطانوی استعمار اور وسطی ایشیا میں روسی استعمار کے ہاتھوں جبر واستبداد کے سخت سے سخت وار سہہ کر بھی زندہ وموجود ہیں، وہ موجودہ عالمی استعمار کے جبر کا بھی ان شاء اللہ تعالیٰ صبر وحوصلہ اور توفیق خداوندی کے ساتھ سامنا کر لیں گے، مگر قوم کو اس طرح لے جانے والے مقتدر طبقات اور دانش ور اپنا مستقبل سوچ لیں کہ تاریخ ان کے نام کون سے خانے میں محفوظ کرے گی اور آنے والی نسلیں انھیں کس عنوان سے یاد کریں گی۔

''تحریک طالبان وطالبات اسلام''

لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے افسوس ناک سانحہ کے پس منظر میں پشاور میں ایک اجلاس کے دوران ''تحریک طالبان وطالبات اسلام'' کے نام سے ایک فورم کی تشکیل عمل میں لائی گئی ہے جس کا سربراہ حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ دامت برکاتہم کو منتخب کیا گیا ہے اور ان کی امارت میں صوبائی امرا اور دیگر ذمہ داروں کا تعین کر کے اسی رخ پر تحریک کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا گیا ہے جو لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف آپریشن سے قبل موجود تھا۔ ''تحریک طالبان وطالبات اسلام'' کا مقصد اسی تحریک کو آگے بڑھانا بیان کیا جا رہا ہے اور اس کے لیے مختلف سطحوں پر رابطوں کا سلسلہ بھی تازہ معلومات کے مطابق شروع ہو گیا ہے۔

ہم ان صفحات میں مسلسل یہ عرض کرتے چلے آ رہے ہیں کہ جہاں تک پاکستان میں نفاذ اسلام اور انسداد منکرات کے لیے جدوجہد کرنے، مطالبات کرنے، رائے عامہ کو منظم کرنے، عوامی دباؤ کو بڑھانے اور پرامن جدوجہد کا ہر ممکن راستہ اختیار کرنے کا تعلق ہے تو ایسا کرنا نہ صرف ہمارا حق ہے بلکہ ہمارا دینی فریضہ بھی ہے، لیکن ان مقاصد کے لیے قانون کو ہاتھ میں لینا، حکومت کے ساتھ تصادم کی صورت اختیار کرنا، ہتھیار اٹھانا اور کوئی بھی ایسی صورت اختیار کرنا جسے فقہائے کرام نے